Date of Publication : 09-06-2014
PRICE Rs. 2/-
POSTED ON 10-11 June 2014
R.N.I No. 2186/57
POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U (C) 160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)
ہفت روزہ
ہماری زبان
انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

15-21 June 2014
Issue: 23, Vol.: 73
۱۵ تا ۲۱ رجون ۲۰۱۴ء
شمارہ نمبر: ۲۳، جلد نمبر: ۷۳

رابندر ناتھ ٹیگور ہندستان کے ان عظیم دانشوروں میں شمار ہوتے ہیں جو ہندستان کے نہیں، ہر اس ملک کے ہیں جہاں ان کے فکر و فن کو سمجھا اور پڑھا گیا یا ان کی تخلیقات دوسری زبانوں کے وسیلے سے ترجمے کی شکل میں وہاں تک پہنچیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ٹیگور ہمارے دیگر مشاہیر کالی داس، کبیر، غالب اور اقبال کی طرح ہندستان کے ان منفرد شاعروں اور ادیبوں میں شامل ہیں جن کی نظم و نثر زبان و مکان کی حدوں سے ماورا ہو کر اعلا انسانی خصائص اور بلند تہذیبی اقدار کی ترجمان بن گئی ہیں۔ ایسے دانشوروں کے فکر و ذہن سے روشنی حاصل کرنے کے لیے اہل اردو کی طرف سے سمینار اور مذاکروں کا انعقاد یہ ثابت کرتا ہے کہ رواداری و وسیع مشربی اردو کے خمیر و خمیر کا حصہ ہیں۔

ٹیگور کی معنویت، عصرِ حاضر میں

عارف عزیز (20-گھاٹی بھرٹ بھونجہ روڈ، تلیا، بھوپال 462001)

رابندر ناتھ ٹیگور (1861-1941) کی تخلیقات خواہ نظم ہو یا نثر آفاقی نوعیت کی ہیں، اس لیے عصر حاضر میں ان کی معنویت کی تلاش کچھ دشوار نہیں۔ ٹیگور کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے انسان دوستی اور مہر و مروت کے اپنے پیغام کو جہاں تک ممکن ہو سکا دنیا تک پہنچایا۔ ان کے اس پیغام کی روشنی میں انسانیت اپنے گوناگوں مسائل حل کرکے حصول کا سراغ پا سکتی ہے۔ سچائی یہ ہے کہ ٹیگور کا دنیا کو دیکھنے اور سمجھنے کا نظریہ کافی جداگانہ انفرادیت کا حامل ہے۔ ہندستانیوں کو اس پر فخر ہونا چاہیے کہ ٹیگور کا تعلق ان کی سرزمین سے ہے۔ ٹیگور بنیادی طور پر ایک شاعر ہیں اور اس کا ثبوت ان کی تین ہزار سے زیادہ نظمیں ہیں جن کے مصرعوں کا شمار ہو تو وہ ایک لاکھ تک پہنچتے ہیں، مذکورہ اشعار میں بقول فراق گورکھپوری:

"ہم ہندستان کی سرزمین اور ہندستان کے قالب کو سانس لیتے ہوئے دیکھتے ہیں، ٹیگور کی نظموں میں ہندستان کے کھیتوں کی لہلہاہٹ ہے، یہاں کے دریاؤں کا ساز روانی ہے، یہاں کے شفقستانوں کی ٹھنک ہے، یہاں کے موسموں کے جلوے ہیں، یہاں کے دن اور رات کی آئینہ بندی ہے، یہاں کے پہاڑوں کی حشمت وہیبت ہے۔"

(رویندر ناتھ کی شاعری پر طائرانہ نظر، آجکل مئی ۱۹۶۱ء)

ٹیگور کی شاعری میں مناظر فطرت کی سینکڑوں بولتی تصویریں ہی نہیں ملتیں، ہر منظر کا دل دھڑکتا ہوا دکھائی اور سنائی دیتا ہے۔ ٹیگور نے انسانی زندگی کے خارجی اور داخلی مسائل و کیفیات، اس کا دکھ درد، اس کی معصومیت اور حریت اور اس کی بے پناہ معنویت کو جس ہمدردی، یگانگت و مانوسیت سے سمجھا اس کی تابندہ مثالیں ہر گیت میں ملتی ہیں۔ وہ اس خیال کے حامی تھے کہ انسانوں کا رشتہ اپنی زمین سے وہی ہونا چاہیے جو پہاڑوں اور پودوں کا اپنی مٹی سے ہوتا ہے، لیکن ہندستان کی منفرد تہذیبی اور یہاں کے انسانی کرداروں کی پیچیدگی میں وہ کسی طرح کی جانبداری یا تعصب کا شکار نہیں ہوئے بلکہ احساس دلاتے ہیں کہ دوسرے ملکوں اور قوموں کے انسان اور ہندستان کے عوام میں باہم کوئی فرق و امتیاز نہیں۔ ان کے تخیل میں نسلوں اور قوموں، خطوں اور سرحدوں کی تفریقیں معدوم ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنی اسی فکری آفاقیت کی وجہ سے صرف بنگالی یا ہندستانی نہیں، ایک یونیورسل فکر و ذہن کے مالک نظر آتے ہیں۔

"جن گن من ادھی نایک جے ہے"

قومی ترانہ ٹیگور کو برطانیہ کے ولی عہد جارج پنجم کے خیر مقدم کے لیے لکھتے وقت خود بھی یہ احساس نہیں ہوگا کہ ان کا ممدوح کوئی اور نہیں، ان کا اپنا وطن ہندستان ہے۔ یہ قومی ترانہ ملک کے تمام علاقوں کو ایک رشتۂ اتحاد میں باندھتا ہے۔ اس میں وطن کے تئیں خلوص، محبت اور عزم کا جو اظہار ہے وہ ہر ہندستانی کے دل کی آواز بن جاتا ہے۔ ٹیگور نے جب "آمار سونار بنگلہ" (ہمارا سنہرا بنگال) تحریر کیا تو ان کو اس کا بھی اندازہ نہ ہوگا کہ ایک دن یہ دلکش نغمہ نئے ملک بنگلہ دیش کا قومی ترانہ بن کر لوگوں کے دلوں کو گرمائے گا۔ آج یہ ہندستان اور بنگلہ دیش کو باہم جوڑنے کی ایک کڑی کا کام انجام دے رہا ہے۔ "کتھا و کہانی" ٹیگور کی متعدد نظموں پر مشتمل مجموعہ ہے جس میں کمزور، دبے کچلے، استحصال شدہ اور ذات پات کے نظام سے جوجھتے لوگوں سے ان کی گہری ہمدردی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ نظمیں آزادی کی چھ دہائیاں گزر جانے کے بعد آج بھی ہمارے معاشرے کا جزو لاینفک ہیں۔ ٹیگور اگرچہ دو صدی کے شاعر ہیں لیکن اپنی فکر اور موضوعات کی بنا پر وہ عہد حاضر کے شاعر نظر آتے ہیں۔ ٹیگور نے نہایت سرگرم زندگی گزاری، اکثر و بیشتر ملک اور بیرون ملک کے سفر کرکے عام انسانوں سے رابطہ قائم کیا، انھوں نے مزدوروں اور کسانوں کے دکھ درد کو سمجھا، اس تجربے سے ٹیگور کی فکر و نظر کو ایک نئی جہت ملی اور ان پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ ہندستانیوں کے مسائل سماجی ہیں، مقامی اور سیاسی نہیں۔

ٹیگور نے اپنی نظموں اور کہانیوں میں صرف عورتوں کے حقوق کے لیے آواز بلند نہیں کی، عورتوں کے مختلف کرداروں سے اس فنکاری کے ساتھ متعارف کرایا کہ نسوانیت کے انتہائی مانوس، پر رحم اور پر عظمت چہرے سامنے آجاتے ہیں۔ ٹیگور سیاست سے دور رہنا چاہتے تھے لیکن انسانی دکھ درد میں شرکت کو مذہب کا درجہ دیتے تھے، وہ ویدانتی فلسفے کے پیرو ہونے کے باوجود رنگ و نسل، دین و مذہب، قوم و ملت کے امتیاز کے خلاف اور تمام نوع انسانی کا احترام کرتے تھے، حب الوطنی اور خدا ترسی کا جذبہ تو ان کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا، ان کے خیال میں اگر خدا کو تلاش کرنا ہے تو ہمیں غریب اور بے سہارا لوگوں کے درمیان جانا ہوگا۔

انسان دوستی کی آوازیں گو مغرب میں بھی بلند ہوئیں لیکن ٹیگور کی انفرادیت یہ ہے کہ اسے انھوں نے مذہبی جذبے سے سرشار ہو کر آفاقی بنا دیا ہے، اسی لیے ٹیگور کی انسانیت دوستی، خدا پر ان کے کامل اعتقاد کی مظہر ہے اور اس جذبے میں خدا ترسی شامل ہے، جس نے اسے

مغرب کے انسان دوستی فلسفے سے متاثر ہو کر دیا ہے۔ ٹیگور نے تعلیم کو کلاس روم کے بند ماحول سے نکال کر فطرت کے پر فضا ماحول میں پہنچایا۔ ان کے خیال میں:

"بچے فطرت کے قریب رہ کر آزاد فضا میں بہتر طور پر علم سے بہرہ ور ہوسکتا ہے۔ وہ ہندوستان کے تعلیمی نصاب کے خلاف تھے۔ ٹیگور کے قول ہمارے استادوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ تعلیم کے پہلے مرحلے میں بچوں کو کتابیں ہی نہیں پڑھائیں، ذہن کے ساتھ زندگی پر عمل بھی سکھانا ہے"۔

(Origin of the man)

رابندر ناتھ نے تعلیم کے مسائل پر متعدد مضامین لکھ کر یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ہمارے یہاں کی جو یونیورسٹیاں اور کالج جس تعلیمی نظام کو چلا رہے ہیں اس کا مقصد کلرک، وکیل، قلم کار، ڈاکٹر، مجسٹریٹ اور پولیس مین پیدا کرنا ہے جسے وہ ماتھے کے اجالے سے تعبیر کرتے ہیں اور ماہرین تعلیم سے تقاضا کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسا نظام تعلیم رائج کریں جو اقتصادیات، زراعت، صحت عامہ اور روز مرہ کے دیگر موضوعات کی معلومات ان گروہ کے دیہی علاقوں تک بہم پہنچائے، انھیں تعمیر وطن کی بڑی فکر تھی اس کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ اپنے بڑے بیٹے رتھندر ناتھ ٹیگور، اپنے دوست کے فرزند سنتوش چندر اور بعد میں داماد نریندر ناتھ گنگو پادھیائے کو زراعت اور مویشی پروری کی تعلیم کے لیے امریکہ بھیجا حالاں کہ اس زمانے میں متمول گھرانے اپنی اولاد کو قانون پڑھا کر بیرسٹر بنانے یا آئی سی ایس کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے انگلینڈ بھیجتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ ٹیگور نے آج سے سو سال پہلے تعلیم میں ماحول کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کیا اور شانتی نکیتن کی شکل میں دنیا کے سامنے اس کا ایک ماڈل پیش کیا۔

ٹیگور کا ایک مشہور ڈرامہ "مکت دھارا" ہے، بہ قول ڈاکٹر رام گوپال بجاج اس کی عصری معنویت یہ ہے کہ ڈرامے میں پانی پر قابو پانے کے مسئلے کو موضوع بنایا گیا جو آج کی اکیسویں صدی کا بھی ایک سلگتا ہوا مسئلہ ہے، بالخصوص ہندوستان میں سال بہ سال ہونے والی خشک سالی نے ٹیگور کی پانی کے تعلق سے سو سالہ پرانی فکر کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے اور اسے پڑھ کر انسانی ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ مستقبل کی جنگ عظیم کہیں پانی کے لیے برپا نہ ہو۔

رابندر ناتھ ٹیگور کے سیاسی نظریے کی بنیاد خود انحصاری پر تھی ہے اسی لیے، انھوں نے ہند زبان کے لیے پہلے مقام کا تعین کیا، ٹیگور کو اس وقت سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑا، جب انھوں نے کہا کہ ملک کے اہم امور پر تبادلہ خیال اپنی زبان میں ہونا چاہیے، مادری زبان ذریعہ تعلیم ہو، یہ انقلابی نظریہ ٹیگور کے شعور میں بچپن سے پیوست تھا، وہ اردو اور ہندی زبانوں میں بھید بھاؤ کے خلاف تھے اس کے برعکس دونوں زبانوں کے اشتراک سے عام بول چال کی ایک زبان بنانے کے حامی تھے، جس کا ثبوت آل انڈیا ہندی ساہتیہ سمیلن کے نام ان کے پیغام سے ملتا ہے۔ اس میں وہ نہایت درد کے ساتھ کہتے ہیں:

"میری آرزو ہے کہ وہ زبان جسے ہم ہندوستانی [illegible] تسلیم کریں، وہ فرقہ وارانہ عصبیت سے پاک ہوگی اور سنسکرت اور فارسی کے ادبیات کے ان دھاروں کی ترجمانی کرے گی جو صدیوں سے پہلو بہ پہلو رواں دواں ہیں اور جرأت کے ساتھ ان الفاظ کو اپنائے گی جو استعمال کی وجہ سے ہماری زبان میں رچ بس گئے ہیں"۔

(روزنامہ ہندوستان اسٹینڈرڈ، کلکتہ ۱۰ را کتوبر ۱۹۳۷ء)

اردو اور ہندی کے ساتھ رابندر ناتھ ٹیگور ہندو اور مسلمانوں کے درمیان خیر سگالی اور یک جہتی کے جذبات فروغ دینے کے بھی قائل تھے۔

"مضامین کے مجموعے 'کالانتر' کے چھبیس میں سے دس مضامین میں انھوں نے ہندو۔ مسلم اتحاد کے سوال پر کہیں براہ راست اور کہیں بین السطور روشنی ڈالتے ہوئے ماہر سماجیات اور بے لاگ مبصر کی حیثیت سے دونوں فرقوں میں کمیونیکیشن گیپ ختم کرنے کے لیے بے لوث جذبے سے تبادلۂ خیال کی ضرورت ظاہر کی ہے۔ ٹیگور کے نزدیک ہندو اور مسلمانوں کے مابین کشیدگی کی بنیاد خوشگوار اور متحرک معاشرتی رشتوں کا فقدان ہے، وہ اکثریتی فرقے کو مسلم اقلیت سے بہتر سلوک روا رکھنے اور بے لوث تعلقات استوار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، ٹیگور ہندو اور مسلمانوں میں حائل خلیج پر مایوس تھیں، وہ ہندوستان میں دونوں فرقوں کو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم اور دونوں کی تقدیر کو ملک ہندوستان سے وابستہ قرار دیتے ہیں"۔

(روزنامہ "نو بھارت ٹائمز" نئی دہلی ہری نرائن مشر، یکم جنوری ۱۹۹۳ء)

غرض کہ رابندر ناتھ ٹیگور نے فنون لطیفہ کے مختلف شعبوں میں منفرد خدمات ہی انجام نہیں دیں بلکہ بلا امتیاز رنگ و نسل، قوم و ملت، دین و مذہب تمام نوع انسانی کے احترام کا درس بھی دیا جو عہد حاضر کی ناگزیر ضرورت ہے۔

•◆•

دوسری قسط

محسناتِ شعر

صنائع و بدائع لفظی و معنوی

عابد علی عابد

اسی طرح انیس ہی کا شعر ہے:

کل ہی تقاضا کرتے تھے رب علا کی مدح
ہر خار کو بھی نوک زباں تھی خدا کی مدح

یہاں نوک زباں سے مراد از بر ہوتا ہے لیکن نوک کے جو مجموعی معانی ہیں ان کا تعلق خار سے قائم ہے۔ شاد کہتا ہے:

اس چشم نیم خواب سے کس کو تھی امید
جادو جگائے سرمۂ دنبالہ دار کا

اس شعر میں صنعت ایہام تناسب کی بجائے ایہام تضاد کی صورت پیدا ہوئی ہے۔ ایک تو یہ کہ چشم نیم خواب جیسے مراد مدھ بھری، خموری آنکھیں ہیں جیسے کسی کو نیند آئی ہو، جیسے پلکیں بوجھل ہو رہی ہوں لیکن خواب کے دوسرے معنی سونا ہیں اور ان کا جاگنے سے تعلق تضاد کا ہے۔ جادو جگانے کے جو معنی مراد ہیں وہ ہیں عشوہ گری کرنا اور جادو کرنا لیکن جگانا کے جو معنی غیر مطلوب ہیں ان کی نسبت خواب سے تقابل تضاد کی ہے، حسرت کہتا ہے:

اے یار تیرا حسن شرابی
لایا ہے دل پر کتنی خرابی

خرابی کے معانی مطلوب تو ظاہر ہیں لیکن دوسرے معانی کا اشارہ بھی قائم ہے کہ خراب مست کو کہتے ہیں اور اس معنی کا تعلق حسن شرابی سے قائم ہے۔ اس سلسلے میں آتش نے قیامت کا شعر کہا ہے:

آنکھیں عاشق کو نہ تو اے مہ رعنا دکھلا
پتلیوں کو کسی نادان کو تماشا دکھلا

ان اشعار میں مراعات النظیر، تضاد اور ایہام تناسب کی نزاکتوں اور رعایتی کیفیتوں پر بھی غور کیجیے گا:

قمریاں بولیں چہکے کو کہیں
کان کی بات مری نقل ٹھہرے
ہم جو چپ ہوں تو سخن کہلائے
آپ چپ ہوں تو تغافل ٹھہرے
تم جسے چاہو چڑھا لو سر پہ
ورنہ یوں دوش پہ کاکل ٹھہرے

یا تک نہ کر ناز تو نادان مجھے اتنا
پا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی
گھٹا وہ بلا زلف سیاہ فام وہ کافر
کیا خاک جیے جس کی شب ایسی سحر ایسی
(آرزو)

حالہ بنا کاکل بنی زلفیں بڑھیں گیسو بڑھے
حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے
بعد مدت کے گلے ملتے ہوئے رکتا ہے دل
اب مناسب ہے کبھی کچھ میں بڑھوں کچھ تو بڑھے
(ذوق)

ہاں نامل وہم نازک فکر خوب نہیں
ابھی چھاتی مری تیروں سے چھلنی خوب نہیں
بزم میں تو وہ دنداں نہ دکھا جس کر
کوئی کھا جائے جو ہیرے کی کنی خوب نہیں
(ذوق)

جس نے بنا دیا مجھے وحشی وحشت حال سا
بنے وہ شکل چاندی ہالے وہ قد نہال سا
(داغ)

اس طرف بجلی ہے طاق عرش میں قندیل سا
اس طرف روشن ہے رخسار سے مطلع دوست
اس طرف تاروں کے گھر نے زیب بام آسماں
اس طرف پھولوں کے گجرے بند بازوئے دوست
اس طرف افسانہ خواں ہیں عندلیبان بہار
اس طرف ہم داستاں ہیں مطربان کوئے دوست

اقبال نے ان تینوں صنعتوں کے استعمال میں جو وارفتگی دکھی ہے اس کی مثالیں بھی بہت دل چسپ اور دل پذیر ہیں، مثنوی میں کہتے ہیں:

نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہم نوا میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں

اس شعر میں دو کلمات استعمال ہوئے ہیں۔ بلبل اور ہم نوا۔ ہم نوا کے دو معنی ہیں، ایک دوست اور دوسرے ہم صفیر، مل کر گانے والا، سنگیت کا ساتھی مراد دوست ہے لیکن نوا کو بلبل سے جو تعلق ہے وہ قائم ہے۔ اسی طرح پہلے مصرعے میں "ہمہ تن گوش رہوں" سے مراد یہ ہے کہ متوجہ رہوں لیکن گوش کے لغوی معانی

کا تعلق نالے سے بھی ہے اور سننے سے بھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ بلبل میں اور گل میں مراعات النظیر ہے۔ نالے میں اور نوا میں تضاد ہے، پھر نوا میں اور خاموشی میں تضاد ہے۔

اس شعر میں ایہام تناسب کی جگہ ایہام تضاد کی صورت ہے:

ہم کو جمعیت خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ امت ترے محبوب کی دیوانی تھی

پریشانی کے ایک تو لغوی معنی ہیں یعنی بکھر جانا لیکن وہ مراد نہیں، مراد تکدر اور اضطراب ہے لیکن پریشانی کے معانی غیر مطلوب کو جمعیت سے نسبت ہے اور یہ نسبت تضاد کی ہے۔ یہی حال جمعیت خاطر کا ہے کہ مراد سکون ہے لیکن جمعیت کے جو دوسرے معنی ہیں یعنی میل جول ان سے پریشانی کے لغوی معنی کو تضاد کی نسبت ہے۔

"شمع اور شاعر" میں شمع کہتی ہے:

میں تو جلتی ہوں کہ مضمر ہے مری فطرت میں سوز
تو فروزاں ہے کہ پروانوں کو ہو سودا ترا
گریہ ساماں میں کہ میرے دل میں ہے طوفان اشک
شبنم افشاں تو کہ بزم گل میں ہو چرچا ترا

پہلے شعر میں بھی سوز کے لفظ پہ ایہام تناسب کا مدار ہے لیکن دوسرا شعر اس صنعت کی بہت ہی اچھی مثال ہے۔ شبنم افشاں سے مراد رونا ہے اور یہی معنی مطلوب ہے، لیکن گل سے شبنم کے دوسرے معنی کا تعلق قائم ہے، اس پر بھی غور فرمائیے کہ شعر کا صوتی آہنگ کتنا دل نشیں ہے۔ گل و شبنم میں صنعت مراعات النظیر بھی قائم ہے۔ یہی حالت گریہ و اشک کی ہے۔

اسی نظم کے آخری بند میں کہتے ہیں:

آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی

ظاہر ہے کہ یہاں ہم نفس سے مراد ہمدم اور دوست ہے لیکن نفس کے دوسرے معنی سے باد صبا کا کتنا نازک تعلق ہے کہ سانس کا دار و مدار ہوا پر ہے اور یوں ہوا کا چلنا بھی جیسے ہوا کا سانس لینا ہے۔ چمن اور بزم گل اور باد صبا کی رعایتیں بھی دیکھ لیجیے کہ مراعات النظیر کا رنگ پیدا کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں انیس کا ایک شعر یاد آ گیا کہ صنعت گری کی معراج پر پہنچ گیا ہے۔ باغ کی تصویر کھینچتے ہوئے کہتا ہے:

رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد
یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد

ظاہر ہے کہ پھونک کر قدم رکھنے سے احتیاط کرنا مراد ہے، لیکن پھونکنے سے ہوا کا کتنا نازک اور دقیق تعلق ہے، گرد سے بھی اس کا تلازمہ ذہن رکھے گا۔

اقبال "والدہ مرحومہ کی یاد میں" کہتے ہیں:

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

پہلے شعر میں صنعت کا مدار شبستان پر ہے کہ مراد شبستان سے مرقد یا تربت ہے جہاں مرنے والے نے آرام پایا اور جسے اس نے اپنا گھر بنایا لیکن اسی کلمہ کا ایک جزو شب ہے اور اس سے سحر کو نسبت تضاد حاصل ہے (ایہام تناسب اور ایہام تضاد دونوں کی مثالیں دی جا رہی ہیں) دوسرے شعر میں شبنم افشانی سے مراد گریہ ہے لیکن شبنم کا تعلق سبزہ سے ظاہر ہے۔

پہلے شعر میں فروزاں، نور اور سحر میں مراعات النظیر ہے۔ اگر دونوں شعروں کو قطعہ کہیے تو خاکی، شبستان اور آسماں میں تضاد ہے۔

یہ مثالیں تو اصلاً ایہام تناسب کی تھیں، اب تضاد اور مراعات النظیر کا رنگ دیکھیے:

مندرجہ ذیل اشعار میں ان دونوں صنعتوں کی دل پذیری دیدنی ہے کہ کیسی چابک دستی اور ہنرمندی سے استعمال ہوئی ہیں کہ باید و شاید۔ بعض مقامات تو ایسے ہیں کہ جب تک خاص طور پر سراغ نہ دیا جائے شبہ بھی نہیں ہوتا کہ کوئی صنعت موجود ہے۔ اقبال نے اپنی ہنرمندی سے کام لے کر اشعار میں ایسی کیفیت پیدا کی ہے کہ الفاظ سے وہ معانی بھی مترشح ہوتے ہیں جن پر یہ ظاہر الفاظ دلالت نہیں کرتے۔

کہیں مراعات النظیر کی ہم آہنگی سے کام لے کر، کہیں تضاد کے تقابل و تخالف سے فائدہ اٹھا کر، کہیں دونوں کو ایک ہی شعر میں سمو کر انھوں نے اپنے بہت سے دقیق اور پُراسرار افکار و تصورات ہم تک یوں پہنچا دیے ہیں کہ ذہن میں اگر معانی مطلوب کی تمام دلالتیں روشن نہیں ہوتیں تو کم از کم اکثر پہلو پرافشاں ضرور ہو گئے ہیں۔

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو
سکوت لالہ و گل سے کلام پیدا کر
اٹھا نہ شیشہ گران فرنگ کے احساں
سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر
میں شاخ تاک ہوں میری غزل ہے میرا ثمر
مرے ثمر سے مئے لالہ فام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

مذہب محبت نہ کافر نہ غازی
محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی
وہ کچھ اور شے ہے محبت نہیں ہے
سکھاتی ہے جو غزنوی کو ایازی
نہ تاج و سلطان نہ مرعوب سلطان
محبت ہے آزادی و بے نیازی
مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے
یہ آدم گری ہے وہ آئینہ سازی

لذت نغمہ کہاں مرغ خوش الحاں کے لیے
آہ اس باغ میں کرتا ہے نفس کوتاہی
مفت برق چمکتا ہے مرا فکر بلند
کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمت شب میں راہی

کھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحب ہوش
اک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ فردا ہے نہ دوش
کس کو معلوم ہے ہنگامۂ فردا کا مقام
مسجد و مکتب و مے خانہ ہیں مدت سے خاموش

مری نوا سے ہوئے زندہ عارف و عامی
دیا ہے میں نے انھیں ذوق آتش آشامی
حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

نہ مہرہ باقی نہ مہرہ بازی
جیتا ہے رومی ہارا ہے رازی
آزر کا پیشہ خارا تراشی
کار خلیلاں خارا گدازی

مجھے وہ درس فرنگ آج یاد آتے ہیں
کہاں حضور کی لذت کہاں حجاب دلیل
اندھیری شب ہے جدا اپنے قافلے سے ہے تو
ترے لیے ہے مرا شعلۂ نوا قندیل

جرأت ہو تو افکار کی دنیا سے گزر جا
ہیں بحر خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار
جب تک تو اسے ضرب کلیمی سے نہ چیرے

مجھے آہ و فغان نیم شب کا پھر پیام آیا
تھم اے رہرو کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا
یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محراب مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا

جلی آئینہ مشو محو جمال دگراں
از دل و دیدہ فروشوے خیال دگراں
اے کہ از ترک تراز جانی و چیناں زنگ
ہجر تو خوش ترم آید ز وصال دگراں

حسرت جلوۂ آں ماہ تمامے دارم
دست بر سینہ نظر بر لب بامے دارم
نہ بہ امروز اسیرم نہ بہ فردا نہ بہ دوش
نہ نشیبے نہ فرازے نہ مقامے دارم

خیز و نقاب برکشا پردگیان ساز را
نغمۂ تازہ یاد دہ مرغ نوا طراز را
جادہ ز خون رہرواں تختۂ لالہ در بہار
ناز کہ راہ می زند قافلۂ نیاز را
دیدۂ خوابناک او گر بہ چمن کشودۂ
رخصت یک نظر بدہ نرگس نیم باز را

حلقہ بستند سر تربت من نوحہ گراں
دلبراں زہرہ وشاں گلبدناں سیم براں
در چمن قافلۂ لالہ و گل رخت گشود
از کجا آمدہ اند ایں ہمہ خونیں جگراں
اے کہ در مدرسہ جوئی ادب و دانش و ذوق
نخرد بادہ کس از کارگہ شیشہ گراں
خرد افزود مرا درس حکیماں فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں
برکش آں نغمہ کہ سرمایۂ آب و گل تست
اے ز خود رفتہ تہی شو ز نوائے دگراں

چند بروئے خود کشی پردۂ صبح و شام را
چہرہ کشا تمام کن جلوۂ ناتمام را
سوز و گداز حالتے است بادہ ز من طلب کنی
پیش تو گر بیاں کنم مستی آں مقام را
نغز کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

ازاں آبے کہ در من لالہ کارد ساتگینے دہ
کف خاکی مرا ساقی بہ باد فرودینے دہ
ز چشمے کہ فردوسم و فرنگ اندیشہ تاریک است
نظر زدیدۂ خود را نگاہ راہ بینے دہ
چو خس از موج بر بادے کہ مے آید جادۂ تم
دل من از کمان یار دور تر آمد یقینے دہ
بجانم آرزو ہا بود و نابود شرر دارد
غمم را کوکبے از آرزوئے دل نشینے دہ

ساقیا بر جگرم شعلۂ نم ناک انداز
دگر آشوب قیامت بہ کف خاک انداز
او بہ یک دانۂ گندم بہ زمینم انداخت
تو بہ یک جرعۂ آب آں سوئے افلاک انداز
مے تواں ریخت در آغوش خزاں لالہ و گل
خیز و بر شاخ کہن خون رگ تاک انداز

ادق کی منزلیں دکھانے کے لیے تصورات کی بزم آرائی کا جو نقش اقبال نے "بانگ درا" میں کھینچا ہے اس کی تحلیل مشکل ہے۔ تجزیہ، شعر اور حیات و ممات جس طرح باہم معرکہ آرا ہے ہیں ان کی ہنگامہ آرائی ہے جس طرح انسان کے جسم و جان کی ممکنات کا اظہار ہوا ہے اس کا بیان ہے گا۔ اس جان کی صنعت گری میں تو تضاد اور تماثل کی مرہون منت ہے کہ یکے بعد دیگرے ایسی علامتیں سامنے آتی ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں یا فی الجملہ نسبت تضاد رکھتی ہیں:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی
حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز
سرشت اس کی ہے مشکل کشی جفا طلبی
سکوت شام سے تا نغمۂ سحر گاہی
ہزار مرحلہ ہائے فغان نیم شبی
کشاکش زم و گرما، تپ و تراش و خراش
ز خاک تیرہ دروں تا بہ شیشۂ حلبی
مقام بست و شکست و فشار و سوز و کشید
میان قطرۂ نیساں و آتش عنبی
اسی کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام
یہی ہے راز تب و تاب ملت عربی
مغاں کہ دانۂ انگور آب مے سازند
ستارہ مے شکنند آفتاب مے سازند

حشو بہ فتح اول و سکون ثانی اس کے لغوی معنی ہیں پُر کرنا، مثال کے طور پر لحاف و بالش میں روئی، اون یا پر بھر دیے جائیں تو یہ چیزیں حشو کہلائیں گی۔

حشو کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کلام میں ایسا لفظ یا ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن کے خارج کر دینے کے بعد بھی مطلب ادا ہو جائے اور ابلاغ و اظہار میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو۔ علمائے بدیع نے حشو کی تین قسمیں گنوائی ہیں، یعنی حشو قبیح، حشو اوسط اور حشو ملیح۔ حشو قبیح ایسے زائد الفاظ کا استعمال ہے جس سے بجائے ابلاغ و اظہار میں خوبی پیدا ہونے کے الٹا ادائے مطالب میں خلل واقع ہو۔ ظاہر ہے کہ اسے صنعت نہیں کہا جا سکتا۔ حشو اوسط تو وہ ہے جس میں زائد الفاظ کا استعمال ایسا ہو کہ نہ تو ابلاغ و اظہار کو اس سے کچھ فائدہ پہنچا ہو اور نہ بیان معانی میں کوئی خلل واقع ہوا ہو، ظاہر ہے کہ یہ بھی کوئی صنعت نہیں۔ حشو ملیح البتہ صنعت گری کی جان ہے۔ حشو ملیح میں یہ ہوتا ہے کہ فن کار کلام میں یا شعر میں کچھ ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے کہ ان کے خارج کر دینے سے معانی میں خلل تو نہیں واقع ہوتا لیکن ان کے اضافے سے معانی کی ایسی دلالتیں روشن ہوتی ہیں جو ان کے بغیر بھی ذہن کے افق پر نہ ابھرتیں۔ اس صنعت کے استعمال میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

(باقی آئندہ)

اردو دُنیا

آئندہ چار برسوں میں دس لاکھ اساتذہ کو تربیت دینے کا ہدف

ورلڈ بینک کی ٹیم اور محکمۂ تعلیم کے درمیان معاہدہ

تمام اضلاع میں ٹیچرس ٹریننگ سینٹر قائم کیے جائیں گے

پٹنہ (۲۲ مئی)۔ عالمی بینک نے ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے معیار میں بہتری لانے کے لیے 2250 کروڑ روپے کی مالی امداد کی منظوری دے دی ہے۔ محکمہ تعلیم اور عالمی بینک کے درمیان ہونے والے معاہدے کی روشنی میں اگلے چار سال میں دس لاکھ ٹیچروں کو تربیت دی جائے گی۔ یہ اساتذہ ابتدائی اور ثانوی اسکولوں میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیں گے۔ رواں مالی سال ۱۳-۲۰۱۲ء میں عالمی بینک کی مدد سے محکمہ تعلیم نے پائلٹ ٹیچر ٹریننگ پروجیکٹ کو نافذ کیا ہے۔ ٹیچرس ٹریننگ پر خرچ ہونے والی رقم کا 70 فی صد عالمی بینک نے دینے کی یقین دہانی کرائی ہے جب کہ باقی 30 فی صد رقم ریاستی حکومت خرچ کرے گی۔ اس طرح عالمی بینک 2250 کروڑ اور ریاستی حکومت 700 کروڑ روپے ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کے بنیادی ڈھانچے کی تعمیر پر خرچ کرے گی۔ خاص بات یہ کہ غیر تربیت یافتہ اساتذہ کی دوران ملازمت تربیت کا نظم کیا گیا ہے۔ اتفاق تھیں عالمی بینک کی مدد سے ریاست کے تمام 534 بلاکوں میں ٹیچر ٹریننگ ادارے کھولے جائیں گے۔ اس کے علاوہ ریاست کے تمام 1200 مراکز کو ٹریننگ سینٹر کے طور پر تیار کیا جائے گا۔

(انقلاب۔ دہلی)

محبوب نگر میں اردو مدارس زبوں حالی کے شکار

بنیادی سہولتوں کا فقدان اور اساتذہ کی کمی سے تعلیم پر مضر اثرات

محبوب نگر (۲۳ مئی)۔ محبوب نگر میں سرکاری اردو میڈیم مدارس کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ گورنمنٹ اردو میڈیم مدارس میں بنیادی سہولیات کے فقدان اور اساتذہ کی کمی کی وجہ سے اردو میڈیم طلبہ کو کافی مشکلات اٹھانی پڑ رہی ہیں۔ جہاں تک اردو میڈیم مدارس سے نتائج کی بات ہے تو نتائج بہتر رہے ہیں مگر اردو میڈیم مدارس کو عہدیداروں کی جانب سے جو بنیادی سہولیات ملنی چاہیے وہ نہیں پا رہی ہیں۔ ضلع بھر میں اردو میڈیم پرائمری اسکول کی تعداد 175 ہے اور اپر پرائمری 12 ہیں جب کہ فوقانیہ مدارس 56 ہیں، جس میں ضلع بھر کے 8 ہزار سے زائد طلبہ اردو میڈیم میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں جب کہ کئی ایک اردو میڈیم مدارس میں ایک یا دو ٹیچرس سے کام چلایا جا رہا ہے۔ اساتذہ کی کمی کے باعث اردو میڈیم مدارس کو بند کرنا پڑ رہا ہے۔ کوڑنگل منڈل کے مدا پور اردو میڈیم گورنمنٹ اسکول کا حال دیکھیں تو تعجب ہوتا ہے کہ اردو میڈیم اسکول کی بلڈنگ میں تمام سہولتیں میسر ہیں لیکن اساتذہ نہ ہونے کی وجہ سے اردو میڈیم طلبہ مجبوراً انگلش میڈیم میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور انہیں درس و تدریس میں کافی دقتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ اسی طرح چند اردو میڈیم اسکولوں میں ودیا والینٹرز سے کام لیا جا رہا ہے جب کہ ودیا والینٹرز کو ماہ اگست میں مقرر کرتے ہوئے ماہ مارچ میں انہیں چھٹی دے دی جا رہی ہے جس کی وجہ سے بھی کافی پریشانیاں ہو رہی ہیں ایسے میں ضلع بھر کے تقریباً 30 اردو میڈیم مدارس بند ہونے کے قریب ہیں۔ ضلع بھر میں اردو میڈیم کے 600 ایس جی ٹی اساتذہ برسر خدمت ہیں لیکن اس کے باوجود مزید 200 اساتذہ کی اشد ضرورت ہے اور اگر اردو میڈیم طلبہ کی ایس ایس سی کے بعد کی تعلیم کی بات کی جائے تو ضلع بھر سے ہر سال 100 طلبہ ایس ایس سی کامیاب کر رہے ہیں۔ لیکن اردو میڈیم انٹرمیڈیٹ کالج ضلع کے صرف چند مقامات مثلاً کوڑنگل، نارائن پیٹ، جڑچرلہ، وجے نگر اور محبوب نگر میں ہونے کی وجہ سے ضلع کے دیگر منڈلوں کے اردو میڈیم طلبہ ایس ایس سی کے بعد انٹر نہیں کر پا رہے ہیں اور ترکِ تعلیم پر مجبور ہیں۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

تمام یونیورسٹیوں میں ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن کے قیام کی ہدایت

پٹنہ (۲۷ مئی)۔ بہار کی تمام یونیورسٹیوں میں ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن کو قائم کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں محکمہ جاتی سطح پر یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کو تجویز دی گئی ہے۔ کوشش ہے کہ نئے تعلیمی سیشن سے ہر یونیورسٹی میں ایم ایڈ کی پڑھائی شروع ہو جائے۔ ایجوکیشن کے لیے 60 سیٹ کی منظوری دینے کی تجویز ہے۔ فی الحال صرف پٹنہ یونیورسٹی میں ایم ایڈ کی تعلیم ہوتی ہے۔ اگلے چار سال میں 80 ہزار رضاکار اساتذہ کی بحالی ہوتی ہے۔ اس سال بھی 15 ہزار رضاکار اساتذہ کی تقرری ہونی تھی، لیکن محض 14941 اساتذہ کی بحالی ہو سکی۔

(انقلاب۔ دہلی)

کے ٹی روڈ کو مولانا آزاد کے نام سے موسوم نہیں کیے جانے پر

اردو والوں کو افسوس

آسنسول، مغربی بنگال (۳۱ مئی)۔ آسنسول میونسپل کارپوریشن کی ۳۰ مئی کو آخری بورڈ میٹنگ تھی۔ ان پانچ برسوں میں کئی تاریخی واقعات رونما ہوئے۔ اس بورڈ میں کئی پرانی سڑکوں اور گلیوں کے نام تبدیل کر کے دوسرے نام سے منسوب کیے گئے مگر ان پانچ برسوں میں اس بورڈ کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ خاص طور سے روڈ کو ملک کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کے نام سے منسوب کرتے۔ حالاں کہ بورڈ کے سابق میئر ان کونسل اور وارڈ کونسلر غلام سرور کی طرف سے متعدد مرتبہ اس مذکورہ روڈ کو مولانا آزاد کے نام سے منسوب کرنے کی درخواست کی گئی مگر افسوس کہ حکمراں اور اپوزیشن کے چند حسب کونسلروں کے سبب ایسا نہیں ہو سکا جس پر آسنسول کی اقلیتی آبادی کو افسوس ہے۔ کئی راستوں کو سماجی، ثقافتی اور مشہور پیشہ ورانہ شخصیتوں کے نام سے منسوب کیا گیا مگر ان میں اردو زبان سے تعلق رکھنے والی کسی بھی شخصیت کو ترجیح نہیں دی گئی۔

(آبشار۔ کلکتہ)

جمنا پار واقع زینت محل اسکول و ڈاکٹر حسین میموریل سینئر سیکنڈری اسکول اردو میڈیم کا نتیجہ گزشتہ سال کے مقابلے کافی بہتر

نئی دہلی (۲۰ مئی)۔ سی بی ایس ای بورڈ نے دسویں کے نتیجے کا اعلان کر دیا ہے جس کے تحت مشرقی دہلی میں واقع زینت محل اسکول کا نتیجہ 99.66 فی صد رہا جو گزشتہ برس کے مقابلے کافی بہتر ہے۔ اسکول اساتذہ محسن الدین اور محمد راشد کے مطابق اس برس 595 طالبات نے دسویں کا امتحان دیا جس میں 593 طالبات نے کامیابی حاصل کی۔ مشرقی دہلی میں واقع جعفرآباد میں حکومت سے امداد یافتہ واحد اردو میڈیم اسکول ڈاکٹر ذاکر حسین میموریل سینئر سیکنڈری اسکول کے طلبہ و طالبات نے بھی گزشتہ برسوں کی طرح اس سال بھی شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا جس کا نتیجہ 99.20 فی صد رہا۔ اسکول کے پرنسپل ڈاکٹر محمد معروف کے مطابق اس برس 192 طلبہ و طالبات نے دسویں کا امتحان دیا جن میں 190 نے کامیابی حاصل کی۔ جعفرآباد میں واقع مڈل ماڈرن سیکنڈری اسکول (انگلش میڈیم) اقلیتی اسکول ہے جس کا نتیجہ ۱۰۰ فی صد شاندار رہا ہے اور اس برس بھی گزشتہ برسوں کی طرح سو فی صد رہا۔

(انقلاب۔ دہلی)

اساتذہ کی تعداد کم کرنے پر سرکاری اسکولوں کے اساتذہ میں بے چینی

نئی دہلی (۱۳ مئی)۔ دہلی سرکار کے ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ کی جاری کردہ پوسٹ فکسیشن رپورٹ سے سرکاری اسکولوں کے اساتذہ میں زبردست بے چینی پیدا ہو گئی ہے اور اردو اسکولوں میں طلبہ کی تعداد کے مطابق اساتذہ تعینات نہ کیے جانے کے سبب مخالفت شروع ہو گئی ہے۔ اس سلسلے میں ماسٹر ٹیچرز کے گروپ کے اساتذہ کے ایک وفد نے آج ایجوکیشن ڈائرکٹر پدمنی سنگلا سے ملاقات کر کے نہ صرف اپنی ناراضگی کا اظہار کیا بلکہ اس عمل پر فوراً روک لگانے کا مطالبہ کیا۔ واضح ہو کہ روزنامہ راشٹریہ سہارا نے ۱۳ مئی کے اپنے شمارے میں ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ کی پوسٹ فکسیشن رپورٹ شائع کر کے اس جانب توجہ دلائی تھی۔ سرکاری اسکولوں کے اساتذہ کے وفد نے ایجوکیشن ڈائرکٹر سے کہا ہے کہ اساتذہ کی تعیناتی اسکولوں میں طلبہ و طالبات کی تعداد کے مطابق ہونی چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ ایک کلاس میں زیادہ سے زیادہ 45 بچے ہونے چاہئیں جب کہ گزشتہ سال بھی 60 بچوں پر ایک ٹیچر تعینات کیا گیا تھا۔ ان کی مخالفت کے سبب بعد میں اس فیصلے کو بدل دیا گیا تھا۔ ایجوکیشن ڈائرکٹر پدمنی سنگلا نے کہا کہ وہ اس معاملے کی فوری جانچ کرائیں گی اور رپورٹ جاری کریں گی۔ اساتذہ کی لیڈر نے بھی کہا کہ ایجوکیشن ڈائرکٹر نے انہیں جلد ہی فیصلہ لینے کی یقین دہانی کرائی ہے۔ واضح ہو کہ پوسٹ فکسیشن کے سبب اساتذہ میں بے چینی اور ناراضگی ہے اور تقریباً 2400 اساتذہ اپنے اپنے اسکولوں میں سرپلس ہو گئے ہیں اور ان کے سر پر ٹرانسفر کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۲۰۱۱ میں کمپیوٹر سائنس کے ڈھائی ہزار اساتذہ کی اسامیاں ختم کی گئی تھیں جن پر تقرری ہونی تھی لیکن ابھی تک تقرری نہ کی تیاری نہیں ہو سکی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ گزشتہ سال پی جی ٹی کمپیوٹر سائنس اساتذہ کی جگہ دوسرے مضامین کے ٹیچروں کو تقرر کیا گیا تھا اس سے اساتذہ کو راحت ملی تھی۔ انھوں نے کہا کہ اس پالیسی پر اس بار بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

اسلام پور اردو میڈیم گرلس ہائی اسکول کے نتائج بھی قابل تحسین

دیگر اردو اسکولوں کے نتائج ماضی کے مقابلے بہتر

اسلام پور، مغربی بنگال (۲۳ مئی)۔ اس سال مدھیامک امتحان کے نتائج میں اسلام پور ہائی اسکول نے شمالی بنگال میں سب سے نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔ ریاست کے Top Ten میں دو طالب علم اسلام پور ہائی اسکول سے ہیں۔ اسلام پور تیتا موڑ کا باشندہ پریتم داس نے پوری ریاست میں تیسرا مقام حاصل کر کے اسلام پور شہر اور اپنے اسکول کا نام روشن کیا ہے وہیں اسی اسکول کا طالب علم پیاتو سنہا نے پوری ریاست میں ساتواں مقام حاصل کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام پور کے طلبہ کسی سے کم نہیں ہیں۔ اسلام پور ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر عبدالواحد مخلص نے اس سلسلے میں کہا کہ گزشتہ سالوں کے مقابلے اس سال اسکول کے نتائج کافی بہتر ہوئے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ اس سال اسکول کے

مشترکہ نتیجہ کی شرح 95 فی صد ہے۔ اس میں سے 40 طلبہ نے امتیازی مقام حاصل کیا ہے جب کہ 80 طلبہ نے فرسٹ ڈویژن حاصل کرکے اسکول کی شان میں اضافہ کیا ہے۔ پرنتظر داس اور پلی پرابو تنہا کے علاوہ پائل سرکار 675، کنال کا ق تنہا 660، امریتا گھوش 657، سرتا بنرجی 655، سید زکی الحق 653، محمد مظفر 653، ایان پال 636 اور محمد احمد فردوس 626 نمبروں کے ساتھ اسلام پور ہائی اسکول کے ٹاپ ٹین میں شامل ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اسلام پور ہائی میں میڈیم کے مقابلے اردو میڈیم کے نتائج بہتر ہوئے ہیں لیکن مجموعی طور پر اسلام پور ہائی اسکول کے اردو طلبہ کے نتائج قابل تحسین ہیں۔ دوسری طرف اسلام پور اردو میڈیم گرلس ہائی اسکول کا رزلٹ بھی اس سال بہتر ہوا ہے۔ اسکول کی ٹیچر ریحانہ خاتون اور ٹیچر انچارج کشور سلطانہ کے مطابق اس سال کل 53 طالبات امتحان میں شریک ہوئی تھیں جن میں سے 47 طالبات کامیاب ہوئی ہیں۔ کامیاب ہونے والی طالبات میں سے 4 طالبہ کو امتیازی مارکس ملا ہے جب کہ 13 طالبہ کو فرسٹ ڈویژن کا درجہ حاصل ہوا ہے۔ سب سے زیادہ 574 نمبر حاصل کرکے فرحین رئیس نے طالبات کی لڑکیوں میں اعلا مقام حاصل کیا ہے۔ دوسری امتیازی مارکس حاصل کرنے والی طالبہ میں انجیری بیگم 572، ثنا پروین 570، آمنہ نوشین 557 اور نصیبہ افروز 500 کے نام شامل ہیں۔ ٹیچر ریحانہ خاتون نے بتایا کہ گزشتہ سالوں کے مقابلے اس سال اسکول کا رزلٹ اچھا رہا ہے۔ اچھے نتائج کے لیے انھوں نے اسکول کی سبھی طالبات کو مبارکباد دی اور مستقبل کے لیے نیک خواہشات پیش کی۔ اسلام پور کے دیگر اردو میڈیم اسکولوں میں بھی نتائج کم و بیش گزشتہ سالوں کے مقابلے بہتر ہوئے ہیں۔

(اخبار مشرق۔ کلکتہ)

دوردرشن انتظامیہ کی اردو دشمنی ناقابل برداشت

کلکتہ (۲۳ مئی)۔ اردو کے نام پر قائم ہونے والے ادارے ہی جب اردو کے ساتھ انصاف نہیں کریں گے تو اردو کو حق کہاں سے ملے گا۔ پیارے اردو والوں کا بڑا المیہ ہے کہ وہ اردو کے نام پر حساس نہیں ہیں اور اپنی ذمہ داریوں کو نہیں سمجھ رہے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار یونین وائس پریذیڈنٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے صدر قسیم احمد نے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر اردو میں عمل پر اداکاری نہیں ہونے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے اردو یونیورسٹی کی انتظامیہ کے نام ایک کھلے خط میں کہا ہے کہ خدا کے واسطے اردو کے ساتھ انصاف کریں، کیوں کہ آپ کے ادارے کا قیام اردو کے نام پر ہی ہوا ہے۔ جب اردو ان اداروں میں محفوظ نہیں رہے گی تو پھر اس کو کہاں پناہ ملے گی۔ قسیم احمد نے اردو زبان کے بہی خواہوں سے دردمندانہ اپیل کرتے ہوئے کہا کہ اردو کے تئیں جب تک ہم اپنی سطح پر حساس نہیں ہوں گے اور خود اس کی حفاظت نہیں کریں گے تو غیروں سے بھلائی کی توقع کیسے کرسکتے ہیں۔ قسیم احمد نے اردو دوردرشن پر جنوبی ہندی فلموں کی نشریات پر بھی اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ دوردرشن انتظامیہ کی اردو دشمنی ناقابل برداشت ہے۔ انھیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اردو کے پاس آرٹ و کلچر کا ایک معیاری ذخیرہ موجود ہے۔ اردو کے نام پر جنوبی ہندی فلموں کی چمک دمک ہے اس کے باوجود اردو دوردرشن پر اردو ڈرامے اور اردو فلمیں نشر نہ کیا جانا اردو دشمنی ہے۔ انھوں نے دوردرشن انتظامیہ سے مطالبہ کیا کہ اردو دوردرشن پر صرف اردو فلمیں اور ڈرامے نشر کیے جائیں اس طرح اردو ڈرامے اور کہانی نویسوں کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ انھوں نے اردو نشریات کے دورانیہ میں اضافے کا بھی مطالبہ کیا اور ملازمین کو مکمل سرکاری مراعات دینے کی بھی مانگ کی۔

(اخبار مشرق۔ کلکتہ)

تہران یونیورسٹی میں اردو طلبہ و طالبات کے لیے جلسہ تقسیم اسناد

تہران (ایجنسی)۔ گزشتہ دنوں اسلامی جمہوریہ ایران کے دارالحکومت تہران کی معروف تہران یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کی طرف سے بی اے اردو کے طلبہ و طالبات کے لیے جلسہ تقسیم اسناد کا انعقاد کیا گیا۔ جلسہ تقسیم اسناد کا انعقاد یونیورسٹی کی غیرملکی زبانوں کی فیکلٹی میں کیا گیا جس میں تعلیمی سال ۲۰۱۳ء اور ۲۰۱۴ء میں بی اے اردو کا کورس مکمل کرنے والے طلبہ و طالبات کو اسناد پیش کی گئیں۔ اس تقریب میں صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر علی بیات کے علاوہ شعبۂ اردو سے وابستہ دیگر اساتذہ بھی شریک تھے۔ جلسہ تقسیم اسناد تین سیشنوں پر مشتمل تھا اور اس موقع پر اساتذہ کی طرف سے بڑا اسٹیج بھی تیار کیا۔ تقریب کی دلچسپ بات یہ تھی کہ تینوں سیشنوں کی نظامت اردو کے ایرانی طلبہ و طالبات نے بہت خوبصورتی سے انجام دی۔

(انقلاب۔ دہلی)

سی بی ایس ای کے بارہویں کلاس کے نتائج کا اعلان

دھلی کے اردو میڈیم اسکولوں کی شاندار کامیابی

نئی دہلی (۲۹ مئی)۔ دہلی کے اردو میڈیم اسکولوں نے دسویں جماعت کی طرح سی بی ایس ای کے بارہویں جماعت کے امتحان میں بھی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ نتائج کے مطابق ڈاکٹر ذاکر حسین میموریل اسکول جعفرآباد، ایس کے وی نمبر ۲ جامع مسجد، ایس کے وی نمبر ۱ جامع مسجد، چشمہ بلند، جامع مسجد، ان اداروں کے وی زینت محل لال کنواں کا نتیجہ 100 فی صد رہا۔ اس کے علاوہ ایس کے وی شیخ خانہ آصف علی روڈ کا نتیجہ 98.3 فی صد، پوری سینئر سیکنڈری اسکول کا نتیجہ 98 فی صد، شفیق میموریل اسکول باڑہ ہندو راؤ کا نتیجہ 96.70 فی صد، نورنگر گرلز سینئر سیکنڈری اسکول کا نتیجہ 95 فی صد، زینت محل گرلز سینئر سیکنڈری اسکول جعفرآباد کا 94 فی صد، گورنمنٹ بوائز سینئر سیکنڈری اسکول جعفرآباد کا 91.13 فی صد، اینگلو عربک اسکول اجمیری گیٹ کا 91 فی صد، ایس بی وی پٹودی ہاؤس کا نتیجہ 90.3 فی صد، حکیم اجمل خاں دریا گنج کا 85 فی صد اور قومی اسکول کا نتیجہ 85 فی صد رہا۔

ایس کے وی نمبر 2 جامع مسجد کی پرنسپل ڈاکٹر شاہانہ نذیر کے مطابق اسکول سے 69 طالبات امتحان میں شریک ہوئیں جو سبھی پاس ہوگئیں۔ اسکول نے کل 136 ڈسٹنکشن حاصل کی ہیں۔ ثنا اسلم 92 فی صد نمبر حاصل کرکے اول پوزیشن پر رہیں جب کہ رخشانہ نے 89.2 فی صد نمبر حاصل کرکے دوسرا اور صدف نے 88.2 فی صد نمبر حاصل کرکے تیسرا مقام حاصل کیا۔ ڈاکٹر شاہانہ نذیر کے پاس نورنگر گرلز سینئر سیکنڈری اسکول کا چارج بھی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اسکول سے 298 طالبات امتحان میں شامل ہوئی تھیں جن میں سے 289 کامیاب رہیں۔ اسکول کا نتیجہ گزشتہ سال کے مقابلے 14 فی صد اضافے کے ساتھ 95 فی صد رہا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین میموریل سینئر سیکنڈری اسکول جعفرآباد کے پرنسپل ڈاکٹر معروف خان کے مطابق اس مرتبہ اسکول کا نتیجہ 100 فی صد رہا۔ کامرس اسٹریم کی عائشہ محسن نے 92 فی صد نمبر حاصل کرکے اسکول کو ٹاپ کیا۔ اس نے اکاؤنٹس میں 94، بزنس میں 95، ... میں 94، انگریزی میں 93 اور ہندی میں 84، اکنامکس میں 75 نمبر حاصل کیے۔ محمد قیم نے 90.2 فی صد نمبر حاصل کرکے دوسری پوزیشن حاصل کی۔ اس نے بھی تمام مضامین میں ڈسٹنکشن حاصل کی۔ 88.8 فی صد نمبر کے ساتھ جویریہ رئیس اور حسین تیسری پوزیشن پر ہے۔ اس نے ریاضی میں 100 حاصل کیے۔ اس کے علاوہ آرٹس میں شاہانہ نے 83.20 فی صد، محمد اقبال نے 81 فی صد اور شاداب نے 76 فی صد نمبر حاصل کیے۔ اسکول نے کل 257 ڈسٹنکشن حاصل کیں۔

ایس کے وی زینت محل لال کنواں کا نتیجہ 100 فی صد رہا۔ تمام 163 طالبات نے کامیابی کے ساتھ کل 154 ڈسٹنکشن بھی حاصل کیں۔ ... نے 91.8 فی صد نمبر کے ساتھ اول، ادیبہ یوسف نے 90 فی صد نمبروں کے ساتھ دوسری اور اقرا جاوید نے 85.8 فی صد نمبر لے کر تیسری پوزیشن حاصل کی۔ چشمہ بلند اسکول ... کا نتیجہ بھی 100 فی صد رہا۔ اسکول کی تمام 42 طالبات نے کامیابی حاصل کی۔

... پوری سینئر سیکنڈری اسکول کا اس بار نتیجہ 98 فی صد رہا۔ کل 119 طلبہ امتحان میں شریک ہوئے جن میں سے 117 کامیاب رہے۔ اسکول نے کل 54 ڈسٹنکشن حاصل کیں۔ زینت محل گرلز سینئر سیکنڈری اسکول جعفرآباد کا نتیجہ 94 فی صد رہا۔ صدف ناز نے 93.2 فی صد نمبر لے کر پہلی پوزیشن حاصل کی۔ ایس کے وی 1 جامع مسجد کی شاہ پروین نے 94 فی صد نمبر حاصل کرکے اسکول کو ٹاپ کیا۔ اس نے تمام پانچ مضامین میں ڈسٹنکشن حاصل کی۔ اسکول سے کل 60 طالبات امتحان میں بیٹھی تھیں جو سب کامیاب رہیں۔

ایس کے وی شیخ خانہ آصف علی روڈ کا نتیجہ اس مرتبہ 98.3 فی صد رہا۔ اسکول کی پرنسپل نے بتایا کہ عائشہ ناز نے 86.4 فی صد نمبر حاصل کرکے پہلی پوزیشن اور ... نے 84.2 نمبروں کے ساتھ دوسری پوزیشن حاصل کی۔ ایس بی وی پٹودی ہاؤس کا نتیجہ 90.3 فی صد رہا۔ اسکول کے محمد فرحان نے پانچوں مضامین میں ڈسٹنکشن کے ساتھ 90.8 فی صد نمبر لے کر پہلی پوزیشن حاصل کی۔ دوسرے نمبر پر شاداب علی رہے جس نے 87 فی صد نمبر حاصل کیے۔ محمد علی 70 فی صد نمبر حاصل کرکے تیسرے نمبر پر رہے۔

اینگلو عربک گورنمنٹ بوائز سینئر سیکنڈری اسکول اجمیری گیٹ کا نتیجہ اس بار 91 فی صد رہا۔ اسکول نے اپنے نتیجے میں زبردست سدھار کیا ہے۔ امتحان میں بیٹھنے والی طالبات کا نتیجہ صد فی صد رہا۔ اس بار کل 220 طلبہ امتحان میں شریک ہوئے تھے جن میں سے 213 کامیاب رہے۔ سائنس اسٹریم کے محمد عامر نے 86.40 فی صد نمبر سے پہلی پوزیشن حاصل کی۔ سائنس کے ہی محمد عمر نے 85.20 فی صد نمبر کے ساتھ دوسری اور محمد نوید نے 85 فی صد نمبر لے کر تیسری پوزیشن حاصل کی۔ ان تینوں ہی طلبہ نے پانچوں مضامین میں امتیازی حیثیت حاصل کی۔

حکیم اجمل خاں گرلز سینئر سیکنڈری اسکول کا نتیجہ 85 فی صد رہا۔ گزشتہ سال اسکول کا نتیجہ 72 فی صد تھا۔ اسکول سے 55 طالبات امتحان میں شریک ہوئی تھیں ان میں سے 47 پاس ہوئیں۔ قومی اسکول قریش نگر کا نتیجہ اس مرتبہ 85 فی صد رہا جو گزشتہ سالوں سے بہتر ہے۔ اسکول کے کل 42 طلبہ نے امتحان میں شرکت کی تھی جن میں سے 36 طلبہ پاس ہوئے۔

دوسری جانب جعفرآباد کے زینت محل اسکول (اردو میڈیم) کا رزلٹ 94 فی صد رہا۔ یہاں 624 لڑکیوں نے بارہویں جماعت کا امتحان دیا جن میں 585 لڑکیاں کامیاب ہوئیں۔ ان لڑکیوں میں صدف ناز نے 93.2 فی صد نمبر حاصل کرکے اول پوزیشن حاصل کی، فرحین ناز نے 90.2 فی صد نمبر حاصل کرکے دوسری پوزیشن حاصل کی اور دو لڑکیوں صبیحہ ناز و درخشاں نے 89.6 فی صد نمبر حاصل کرکے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ گورنمنٹ گرلز سینئر سیکنڈری اسکول نمبر 2 بیگم پور کا نتیجہ 71.4 فی صد رہا۔ اسکول میں 621 لڑکیوں نے بارہویں جماعت کا امتحان دیا ان میں 585 لڑکیاں پاس ہوئیں۔ گورنمنٹ بوائز سینئر سیکنڈری اسکول جعفرآباد کا نتیجہ 91.13 فی صد رہا۔ اسکول میں محمد کامران نے 81 فی صد نمبر حاصل کرکے اول پوزیشن حاصل کی، ریحان علی نے 79 فی صد نمبر حاصل کرکے دوسری پوزیشن حاصل کی۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : گھر واپسی کا طویل سفر (ڈرامے)
مصنف : ڈاکٹر بانو سرتاج
ضخامت : ۳۶۸ صفحات
قیمت : ۴۰۰ روپے
ناشر : موڈرن پبلشنگ ہاؤس دریا گنج نئی دہلی-۲

تبصرہ نگار: ثمر جہاں
samarjahan2007@gmail.com

زیر نظر کتاب 'گھر واپسی کا طویل سفر' 23 طویل ترجمہ شدہ ڈراموں کا مجموعہ ہے جس میں 2 اردو کے، 12 ہندی کے، 3 مراٹھی کے، 1 بنگالی کا، 1 گجراتی کا اور 2 انگریزی کے ڈرامے شامل ہیں۔ ان ڈراموں میں مصنفہ کے دو اردو کے طبع زاد ڈرامے اور دو ہندی سے ترجمہ کیے گئے ڈرامے شامل ہیں۔ مصنفہ کا طبع زاد ڈرامہ 'کون جیتا کون ہارا' ہندو مسلم اتحاد کو موضوع بنا کر قومی یکجہتی کی مثال پیش کرتا ہے۔ وہیں دوسرا اردو ڈرامہ 'پان دے جیجی' ہندوستان کی تاریخ میں ایک بہادر عورت جیجی بائی کی ہمت اور حوصلے کی کہانی ہے جو پرتگالیوں کے دور حکومت میں زبردستی عیسائی بنائے جانے والے یتیم ہندوستانی بچوں کے خلاف آواز اٹھاتی ہے اور اپنی ہمت اور حوصلے سے مہارانی پرتگال سے اس قانون کو نامنظور کروالیتی ہے۔ اس کے علاوہ گجراتی ڈرامہ 'بیگم حضرت محل' اور ہندی ڈرامہ 'بہادر رانی درگاوتی' ہندوستانی خواتین کی ہمت اور حوصلے کی داستان ہیں۔ 'گھر واپسی کا طویل سفر' کے نام سے شامل ڈرامہ انگریزی زبان کے مصنف یوجین او۔ نیل (نوبل انعام یافتہ ڈرامہ نگار) کا ہے جو کتاب کا عنوان بھی ہے۔ یہ ڈرامہ گیارہ کرداروں پر مشتمل ہے جو مغربی معاشرے میں اپنے وطن سے دور رہنے پر مجبور انسانوں کی داستان سناتا ہے۔ اس کے علاوہ رابندر ناتھ ٹیگور کا بنگالی ڈرامہ 'ڈاکیا' اور بھارتیندو ہریش چندر کا ہندی ڈرامہ 'اندھیر نگری' (اندھیر نگری چوپٹ راج کی کہانی) پر مبنی ہے۔ اور ڈاکٹر بانو سرتاج کا سہ بابی ڈرامہ 'ہم ایک ہیں' اس کتاب کی معنویت میں اضافہ کرتے ہیں۔ کتاب میں شامل ڈرامے 'چالاک سیار'، 'چوری ہوئی ہی نہیں' اور 'بزیا بائوس' تفریحی ڈرامے ہیں۔ ادب کے طالب علموں کے علاوہ دوسری زبانوں کے ادب کے شائقین کے لیے یہ کتاب یقیناً ایک تحفہ ہوگی۔

ooo

نام کتاب : اردو شاعری کی مختصر تاریخ
مصنفہ : ناہید فاطمہ
ضخامت : ۱۳۲ صفحات
قیمت : ۱۵۰ روپے
ملنے کا پتہ : بوستان بک کارنر، A-170 گراؤنڈ فلور-۳ سہر یا اپارٹمنٹ دلشاد کالونی، دہلی-95

تبصرہ نگار : دیپک بدکی
deepak.budki@gmail.com

تاریخ ادب اردو پر کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں مگر زیر نظر کتاب میں، جو دراصل مقالہ کی صورت میں تحریر ہوئی تھی، ناہید فاطمہ نے صرف اردو شاعری کی تاریخ کا جائزہ لیا ہے۔ بہ قول مصنفہ ''شاعر اپنے دور کا نباض ہوتا ہے۔ وہ اپنے دور کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات سے متاثر ہوتا ہے اور زندگی کے غم و آلام، مسرت بخش لمحات اور مختلف مسائل کو اپنے قلم کے ذریعے سامنے لانے کی کوشش کرتا ہے۔'' اردو شاعری کے سفر میں شاعروں کا ایک کارواں ہمارے سامنے آتا رہا اور ایک مختصر مقالے میں ان سب کا فرداً فرداً جائزہ لینا ممکن نہیں۔ اس لیے مصنفہ نے شاعری کے مختلف ادوار کی خصوصیات بیان کر کے صرف ان شاعروں پر روشنی ڈالی ہے جو اس سفر میں میل کے پتھر بن کر ابھر آئے اور اردو شاعری پر بالواسطہ یا بلا واسطہ اپنی چھاپ چھوڑ گئے۔ مختلف ادوار کو انھوں نے الگ الگ ابواب کے تحت بیان کیا ہے جیسے اردو شاعری کا ابتدائی دور، شعرائے دہلی کا پہلا دور، دبستان لکھنؤ، نظیر اکبر آبادی، اردو شاعری کا سنہرا دور، پہلی جنگ آزادی کے بعد، علامہ اقبال، ترقی پسند تحریک، حلقۂ ارباب ذوق، جدیدیت اور مابعد جدیدیت۔ اختتام پر انھوں نے 'عہد بہ عہد تبدیلیوں کا مختصر جائزہ' کے تحت ماحصل پیش کیا ہے۔

پہلے باب میں اردو کی باضابطہ ابتدا کا سہرا محقق نے شمالی ہند کے سر امیر خسرو کے سر باندھا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی اعادہ کیا ہے کہ ابتدائی دور میں اردو کی نشو و نما تقریباً 400 سال تک دکن میں ہوتی رہی اور اس میں صوفیوں کا بڑا ہاتھ رہا۔ اس دور کی شاعری مقامی رنگ میں رنگی ہے اور ہندوستانی تہذیب کی عکاس ہے۔ زیادہ تر مثنوی، مرثیہ اور غزل کا چلن رہا۔ چند اہم شاعروں کے نام یوں ہیں: شاہ میراں جی، نظامی بیدری، برہان الدین جانم، عبدل، شاہ اشرف بیابانی، محمد قلی قطب شاہ، ملا وجہی، غواصی، ابن نشاطی، فائز، ولی دکنی اور سراج وغیرہ۔ اس کے بعد دہلی اردو شاعری کا مرکز بن گئی جہاں ہیئت اور زبان کے کئی تجربے ہوئے۔ سودا، میر، میر درد، میر غلام حسن، میر سوز، قائم، بقا اور انعام اللہ اس دور کے نامور شعرا گزرے ہیں۔ یہ دور قصیدہ، غزل اور مثنوی کے عروج کا دور مانا جاتا ہے حالاں کہ مرثیے اور مسدس نے بھی فروغ پایا۔

دہلی کی تباہی اور بربادی کے سبب باکمال شعرا جیسے میر، سودا، مصحفی، انشا وغیرہ لکھنؤ منتقل ہو گئے اور ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ وہ یہاں کی بے فکری اور عیش پسند ماحول میں رچ بس گئے۔ اس سرزمین پر مصحفی، جرأت، انشا، رنگین، آتش، ناسخ، انیس، دبیر، تسلیم اور شوق جیسے شعرا پیدا ہوئے۔ کہیں کہیں ہمیں عیش پسندی اور زوال پذیر معاشرے کے اثرات یہاں تک کہ عریاں نگاری، معاملہ بندی اور ابتذال کی مثالیں بھی نظر آتی ہیں۔ اس دور میں مرثیہ، مثنوی اور رزمیہ شاعری بام عروج پر پہنچ گئی۔ اس کے بعد نظیر اکبر آبادی نے اپنی آزاد پسند طبیعت، ادیوانوں سے دوری اور عوام کی شاعری کر کے ایک نئے عہد کی بنیاد ڈالی۔ انھوں نے کئی اصناف سخن پر طبع آزمائی کی مگر نظم اور بچوں کی شاعری ان کو مقبولیت کی بلندیوں پر لے گئی۔ ادھر دہلی پھر سے آباد ہوئی اور دبستان دہلی وجود میں آگیا۔ اس دور کے ممتاز شعرا تھے: شاہ نصیر، ذوق، مومن، آزردہ، غالب، ظفر، شیفتہ وغیرہ۔

پہلی جنگ آزادی کے بعد ایسے دور کی شروعات ہوتی ہے جس میں شاعروں نے مشاہدہ نفس و قوم کو ترجیح دی اور قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ آزاد، حالی، اکبر الہ آبادی، چکبست، شاد عظیم آبادی، سرور جہان آبادی، نظم طباطبائی اور اسمٰعیل میرٹھی وغیرہ اس دور کے نمایاں نام ہیں۔ بہاری ملت، حب الوطنی، مصری حسیت اور فطرت کی عکاسی اس دور کی خصوصیات ہیں۔ قوم و ملت کے تنزل کا اثر سب سے زیادہ علامہ اقبال کی شاعری میں ملتا ہے۔ وہ خود میں ایک مکتبہ فکر تھے جن کا شمار میر و غالب کے بعد ہوتا ہے۔ انھوں نے مسلمانوں میں ایک نیا جوش و ولولہ پیدا کیا اور نئی سوچ کے ساتھ ساتھ عمل پر بھی زور دیا۔

بیسویں صدی کے چوتھے دہے میں ایک منظم تحریک کے طور پر حب الوطنی، انسان دوستی، غریبوں سے ہمدردی اور طبقاتی کشمکش کا ایک نیا باب اردو شاعری میں جڑ گیا جس کو ترقی پسند تحریک کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس دور میں غزل کے بدلے نظم کو اہمیت دی گئی تاکہ فکر و خیال کی مکمل ترسیل ہو سکے۔ اس دور کے اہم شاعر ہیں: فیض، مجاز، ساحر، کیفی، سردار جعفری، مخدوم، سلام مچھلی شہری، جاں نثار اختر، علی جواد زیدی، محمد علی تاج، مجروح، جذبی، کیف بھوپالی وغیرہ۔ سیاسی و سماجی شعور پختہ ہونے کی وجہ سے ان شاعروں میں انقلابی اور باغی تیور نظر آتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ حقیقت پسندی سے اشتراکیت اور نعرے بازی کی جانب چلے گئے۔ ترقی پسندی کے خلاف حلقۂ ارباب ذوق کی تنظیم کی گئی اور اس حلقے کے ادیبوں نے صحافتی ادب اور ادب برائے زندگی کے بدلے انفرادیت اور ادب برائے ادب کی پیروی کی۔ اس حلقے سے وابستہ کچھ اہم نام یوں ہیں: ن م راشد، میراجی، یوسف ظفر، یوسف ظفر، قیوم نظر وغیرہ۔ اسی دور کی اگلی کڑی جدیدیت کی شکل میں سامنے آئی جو ترقی پسندی کے خلاف باضابطہ تحریک بن کر ابھری۔ اس تحریک سے وابستہ شاعروں کے یہاں تنہائی، انتشار، نفسیاتی الجھنیں اور لاحاصل زندگی کے موضوعات ملتے ہیں۔ اس دور میں علامتوں اور استعاروں کا خوب استعمال ہوا۔ اس عہد کے نمایاں نام ہیں: ناصر کاظمی، خلیل الرحمان اعظمی، شہاب جعفری، مظہر امام، محمد علوی، منیر نیازی، مظفر حنفی، کشور ناہید، ندا فاضلی، شہریار، پروین شاکر، عرفان صدیقی اور زیب غوری وغیرہ۔ جدیدیت کی بے راہ رویوں کے ردعمل کے طور پر ۱۹۸۰ء سے مابعد جدیدیت کا دور شروع ہوا جو کوئی تحریک تو نہیں تھا بلکہ شاعروں کی اس سوچ کا نتیجہ تھا جس کے تحت انھوں نے قاری کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی کوشش کی۔ اس دور میں فکر و خیال کی آزادی، باہمی مساوات اور زندگی کی مثبت اور روشن پہلوؤں پر زور ڈالا گیا۔ اس نظریے کے حامی عبدالاحد ساز، شاہد کلیم، منور رانا، صلاح الدین پرویز، فرحت احساس، شمیم طارق اور ارشد عبدالحمید وغیرہ ہیں۔ مصنفہ نے آخر میں 'عہد بہ عہد تبدیلیوں کا جائزہ' کے تحت ماحصل بھی پیش کیا ہے۔

کتاب کی زبان عام فہم، سلیس اور اصطلاحات سے پاک ہے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو مصنفہ نے دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

•••

بقیہ: انجمن ترقی اردو (ہند) الہ آباد شاخ کا افتتاح

صفحہ ۸ سے آگے

چاہیے۔ انھوں نے اس بات پر خصوصی طور پر زور دیا کہ اردو اداروں کو خصوصاً ان غیر مسلم حضرات کو اردو کے فروغ کی تحریک سے وابستہ کرنا چاہیے جو اردو شعر و ادب کے شائق ہیں مگر اردو کے اداروں تک ان کو پہنچنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ پھلے ہی اردو پڑھنے والوں میں اکثریت مسلمانوں کی ہے مگر اردو ہندوستان کا مشترکہ ورثہ ہے اور اس کا خلقیہ ترقی پسند قدروں کا ترجمان ہے۔

اس موقعے پر معروف شاعر ڈاکٹر اسلم الہ آبادی نے ایک نظم پیش کی اور ڈاکٹر علی حیدر رضوی نے شکریے کی رسم ادا کی۔ جلسے میں بہت بڑی تعداد میں غیر مسلم حضرات شریک ہوئے۔ اردو دنیا سے جن لوگوں نے شرکت کی ان میں خاص طور سے کرنل سید محمد اختر، خورشید نقوی، ڈاکٹر فخر الکریم صدیقی، اسرار گاندھی، ڈاکٹر اشفاق حسین، احمد حسنین، احترام اسلام، ڈاکٹر احمد کفیل، ڈاکٹر صالحہ زرین، ڈاکٹر شائستہ فاطمہ، اقبال دانش، ڈاکٹر فاضل ہاشمی، ڈاکٹر حسین جیلانی، محمد شکیل، محمد صہیب، ایڈوکیٹ سید اقبال احمد، رونق صفی پوری، موجود احمد صدیقی، بشارت خاں، ڈاکٹر شہناز عالم، ذیشان خاں، صفدر کاظمی، محمد انیس، گیانویند سنگھ اور نوراللہ اسلام وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

(رپورٹ: حسین جیلانی)

•••••

ترقی پسند ادب

علی سردار جعفری

○ ممتاز ترقی پسند شاعر اور ترقی پسند تحریک کے علم بردار علی سردار جعفری (مرحوم) کی یہ کتاب 'ترقی پسند ادب' پہلی بار ۱۹۵۱ میں اور دوسری بار معمولی ترمیم و اضافے کے بعد ۱۹۵۷ میں منظرِ عام پر آئی۔ اس کے بعد اس کی اشاعت بہ وجوہ مسدود رہی۔ کافی عرصے بعد اب ۲۰۱۲ میں اس کی اشاعتِ سوم عمل میں آئی ہے۔

○ اس کتاب میں ترقی پسند تحریک کے اغراض و مقاصد، نظریات و محرکات اور رجحانات پر بہت عمدہ روشنی ڈالی گئی ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ سادہ اور سلیس زبان میں گفتگو کی جائے۔

○ بلاشبہ یہ کتاب ترقی پسند تحریک کے سلسلے میں ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے اور ترقی پسند تحریک سے وابستہ حضرات کے لیے یہ کسی تحفے سے کم نہیں۔

ضخامت: ۲۵۲ صفحات —— قیمت: ۳۰۰ روپے

نہ اب ہم ساتھ سیرِ گل کریں گے

(سعادت حسن منٹو پر ایک دستاویز)

کشمیری لال ذاکر

○ ممتاز تخلیق کار جناب کشمیری لال ذاکر، عظیم افسانہ نگار سعادت حسن منٹو کے بہت بڑے مداح ہیں، جس کا ثبوت اُن کی یہ تازہ ترین کتاب ہے۔ اس میں انھوں نے سعادت حسن منٹو کی مختلف الجہات شخصیت کے متعدد پہلوؤں کو بحث و تمحیص کا موضوع بنایا ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب منٹو صدی کی مناسبت سے منٹو کو خراجِ عقیدت بھی ہے اور برِصغیر کے ایک اہم دور کی قابلِ قدر یادداشت بھی۔

○ اس کتاب کے بارے میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ منٹو شناسی کے سلسلے میں یہ ایک اہم اضافہ ہے۔

ضخامت: ۲۵۸ صفحات —— قیمت: ۳۰۰ روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

انیسویں صدی میں ادب، تاریخ اور تہذیب (صدیق الرحمٰن قدوائی کے اعزاز میں مضامین)	مرتبین: اطہر فاروقی، رضا حیدر، سرورالہدیٰ	۳۰۰/=
نہ اب ہم ساتھ سیرِ گل کریں گے	کشمیری لال ذاکر	۳۰۰/=
ترقی پسند ادب	علی سردار جعفری	۳۰۰/=
دلی کی درگاہ شاہِ مرداں	خلیق انجم	۲۰۰/=
پہلا ورق (رسائل اردو ادب کے منتخب اداریے) اسلم پرویز	انتخاب و ترتیب: شمس الحق عثمانی، محمد فیروز دہلوی	۳۰۰/=
راس مسعود	حکیم سید ظل الرحمٰن	۲۵۰/=
نامکمل	اطہر فاروقی	۲۲۰/=
سیرتِ فریدیہ (سرسید کے نانا خواجہ فریدالدین احمد خاں اور دیگر افرادِ خاندان کے حالات)	مصنف: سرسید احمد خاں، مرتب: خلیق انجم	۱۵۰/=
ہندستان میں اردو سیاست کی تفہیمِ نو	اطہر فاروقی	۲۶۰/=
انقلاب: ایک تاریخ، ایک تہذیب کی کہانی	عابداللہ غازی	۸۵/=
بلیک ہول (ماحولیاتی آلودگی پر پہلا طویل ڈراما)	ڈاکٹر مظفرالدین فاروقی	۱۲۰/=
دوکانِ شیشہ گراں (کتابیں اور لوگ)	شمیم حنفی	۲۰۰/=
دلی کے محاورے	سید ضمیر حسن دہلوی	۱۰۰/=
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا	خلیق انجم	۲۳۰/=
غالب تنقید	جاوید رحمانی	۱۱۰/=
سن ستاون کی دلی اور بہادر شاہ ظفر	اسلم پرویز	۱۵۰/=
آزاد ہندستان میں اردو ذریعۂ تعلیم اور صحافت	اطہر فاروقی	۱۷۰/=
ہندستان میں فکری و تہذیبی اصلاح کا آغاز اور ماسٹر رام چندر	صدیق الرحمٰن قدوائی	۱۸۰/=
The Court of Inder / اندر سبھا (سید آغا حسن امانت)	افروز تاج	۳۰۰/=
اردو ہے جس کا نام (رباعیات کا مجموعہ)	امیر چند بہار	۱۱۰/=
پریم چند گھر میں (شیورانی دیوی)	مترجم: سید حسن منظر	۲۰۰/=
ادب کی سماجیات: تصور اور تعبیر (منیجر پانڈے)	مترجم: سرورالہدیٰ	۳۰۰/=
دلی کے مسلمان دانشور (انیسویں صدی) مصنف: مشیرالحسن	مترجم: مسعودالحق	۲۷۵/=
گفتگو ان کی	اطہر فاروقی	۱۵۰/=
جہانِ اقبال	عبدالرحیم خاں	۷۵/=
کرشن چندر کے ناولوں کا تنقیدی مطالعہ (سیاسی اور سماجی پس منظر میں)	ڈاکٹر عبدالسلام صدیقی	۸۵/=
ہم سفروں کے درمیان	شمیم حنفی	۱۵۰/=
ڈاکٹر بشیر بدر کی شاعری (دیوناگری)	ڈاکٹر انجم پاروہ بھکوی	۹۰/=
محققِ غالب کالی داس گپتا رضا	محمد عارف خاں، ثاقب صدیقی	۸۰/=
ہماری رسمیں	ڈاکٹر قریش	۸۵/=
خواجہ غلام السیدین	پروفیسر آل احمد سرور	۲۲۰/=
خواجہ غلام السیدین (مضامین اور تقریریں)	خلیق انجم	۱۰۰/=
اقبال یورپ میں	ڈاکٹر سعید اختر درانی	۲۵۰/=
دیوانِ جاں (احسن اللہ خاں جاںؔ)	ارجمند آرا	۱۵۰/=
نوادرِ اقبال یورپ میں	ڈاکٹر سعید اختر درانی	۱۳۰/=
بھگود گیتا (اردو منظوم)	شان الحق حقی	۶۰/=
جگنوؤں کی دنیا	قرۃ العین حیدر	۴۰/=

انجمن ترقی اردو (ہند) کی الہ آباد شاخ کا افتتاح

پہلی اور لازمی زبان کے طور پر اسکولوں میں اردو کا مطالعہ اردو مادری زبان والے بچوں کا آئینی حق

اردو کا فروغ اب صرف اور صرف اسکول کے نظام میں اردو کی شمولیت پر منحصر ---ڈاکٹر اطہر فاروقی



تصویر میں (دائیں سے بائیں) منشی پریم چند کے پوتے جناب آلوک رائے، جناب ایم اے قدیر، جناب ایس ایم اے کاظمی، ڈاکٹر اطہر فاروقی (خطاب کرتے ہوئے)، پروفیسر سید محمد عقیل رضوی اور پروفیسر علی احمد فاطمی

الہ آباد (۳۱ مئی)۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کی الہ آباد شاخ کا باضابطہ قیام مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی کی موجودگی میں سابق ایڈوکیٹ جنرل جناب ایس ایم اے کاظمی کی لوکر گنج واقع رہائش گاہ پر عمل میں آیا۔ اس موقعے پر ایک جلسے کا انعقاد بھی کیا گیا جس کی صدارت بزرگ ترقی پسند ناقد پروفیسر سید محمد عقیل رضوی نے کی اور نظامت کے فرائض انجمن کی الہ آباد شاخ کے سکریٹری جاوید نظر نے انجام دیے۔ اس مبارک موقعے پر اردو کے بہی خواہ، انگریزی شاعر اور جید عالم منشی پریم چند کے پوتے آلوک رائے بھی موجود تھے۔ جلسے میں الہ آباد یونی ورسٹی کے اساتذہ، نامور وکلا اور اردو شائقین کی بڑی تعداد موجود تھی۔

اس موقعے پر جلسے سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر اطہر فاروقی نے الہ آباد میں انجمن کی شاخ قائم کیے جانے پر اپنی انتہائی مسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ تاریخی موقع ہے کہ اس اہم شہر میں جہاں اب بھی اردو شائقین کی بڑی تعداد موجود ہے نیز عوام الناس میں اردو سے دل چسپی عام ہے، انجمن کی شاخ کا قیام عمل میں آیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ کیسا حسین اتفاق ہے کہ جب انجمن ترقی پسند مصنفین کی داغ بیل الہ آباد میں پڑی تھی تو اس وقت ہمارے سب سے بڑے کہانی کار منشی پریم چند موجود تھے اور آج انجمن ترقی اردو (ہند) کی الہ آباد شاخ کے افتتاح کے موقعے پر ان کے پوتے آلوک رائے ہمارے درمیان تشریف فرما ہیں۔ اردو تعلیم کے موضوع پر انھوں نے کہا کہ پہلی اور لازمی زبان کے طور پر اسکولوں میں اردو کا مطالعہ اردو مادری زبان والے بچوں کا آئینی حق ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو کا فروغ اب صرف اور صرف اسکول کے نظام میں اردو کی شمولیت پر منحصر ہے۔

پروفیسر سید محمد عقیل رضوی نے الہ آباد میں انجمن کی شاخ کے قیام کو ایک خوش آئند واقعہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ اردو والوں کو حکومت سے تو اردو کے فروغ کے لیے جائز مطالبات کرنے ہی چاہئیں مگر خود ان کی رضا کارانہ کوششوں کے بغیر اردو کا احیا ممکن نہیں۔

انجمن ترقی اردو (ہند) کی الہ آباد شاخ کے صدر پروفیسر علی احمد فاطمی نے مہمان خصوصی کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر اطہر فاروقی ایک بے حد فعال انسان اور اردو زبان و تعلیم کے موضوع کے جید عالم ہیں جن کے انگریزی مضامین دنیا کے مقتدر ترین جرنلوں میں شائع ہو چکے ہیں نیز انھی موضوعات پر ان کی کتاب آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس سے شائع ہوئی ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ڈاکٹر اطہر فاروقی نے انجمن کی شاخوں کو فعال کرنے، نئی شاخیں قائم کرنے نیز اردو تعلیم کے ذریعے اردو کے احیا کی جو تحریک شروع کی ہے وہ قابل مبارک باد ہے۔

معروف شاعر و سینئر ایڈوکیٹ ایم اے قدیر نے کہا کہ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اردو مادری زبان والے بچے اپنی تعلیم کے ابتدائی دور میں ہی اردو کا مطالعہ شروع کریں جس کے لیے خصوصاً شمالی ہند کے صوبوں میں بڑی جد و جہد کی ضرورت ہے۔ اس سیاق و سباق میں انھوں نے خصوصاً یوپی کے ایجوکیشن کوڈ میں تبدیلی کی ضرورت پر زور دیا جو صرف اور صرف ہندی میڈیم سے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کے امتحان کی اجازت دیتا ہے۔ اس جلسے میں حکومت کو مخاطب ایک قرارداد پر بھی شرکا نے دستخط کیے، جسے مستقبل قریب میں حکومت کو پیش کیا جائے گا۔

سابق ایڈوکیٹ جنرل و سینئر ایڈوکیٹ ایس ایم اے کاظمی نے کہا کہ نامساعد حالات کے باوجود ہمیں اجتماعی طور پر اردو زبان کے فروغ میں باعمل ہونے کی ضرورت ہے۔ حکومتوں سے ہمیں اردو زبان کو درپیش مسائل پر گفتگو کرنی ہی چاہیے ساتھ ہی اردو کے فروغ کی رضا کارانہ کوششوں کو بھی جاری رکھنا

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

ادارے کا مضمون نگاروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے ـــ (ادارہ)

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں | مطبوعہ: ثمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲-راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ): دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکی ڈالر)
Phones: 23237212, 23237214
E-mail: hamarizaban@atuh.org
http://www.atuh.org